میں ہم سفر رہا

شیخ عبدالمعز عبدالستار°

○ **سوال:** اخوان اور امام البنا سے آپ کا تعارف کب اور کیسے ہوا؟

● جواب: [redacted] کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس وقت تک ہم اخوان المسلمون کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ طلبہ نے فیصلہ کیا کہ فلسطین کے لیے فنڈ جمع کر کے جناب محب الدین الخطیب کے ذریعے عزالدین القسام تک پہنچا دیا جائے۔

اسی دوران، امام حسن البنا کی جانب سے محمد البنا اور محمود الحافظ ہمارے پاس آئے۔ امام کا طریقہ کار تھا کہ جب بھی گرمیوں کا موسم آتا تو آپ اپنے ساتھیوں کو مختلف علاقوں میں داعی بنا کر بھیجتے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے تھے۔ ہمارے نصیب میں حسن البنا کے بھائی محمد البنا اور ان کے ساتھ محمود الحافظ آئے۔ ان کے پاس اخوان المسلمون کا دعوتی لٹریچر بھی تھا۔

اخوان المسلمون کے لٹریچر میں اخوان کا یہ عقیدہ واضح کیا گیا تھا کہ: ''ہمارے تمام امور اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نبی ہیں۔ جزا و سزا کا دن برحق ہے۔ قرآن کریم اللہ کی آخری کتاب ہے، جس میں دین اور دنیا کی بھلائی ہے۔ میں عہد کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو قرآن کریم کی جماعت میں شامل کروں گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام

○ ملاقات عبدالغفار عزیز۔ ترجمہ: عزیر صالح

رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت کا مطالعہ کروں گا''۔

میں اس وقت ثانویہ کے چوتھے سال میں تھا۔ محمد البنا بھی میرے ساتھ چوتھے سال میں تھے، لیکن اگلے سال جب ہم ثانویہ سے فارغ ہوئے تو وہ شعبہ ادب میں چلے گئے اور میں نے کلیہ اصول الدین میں داخلہ لے لیا۔

میں بات کر رہا تھا کہ ہم نے فلسطین کے لیے فنڈ اکٹھا کیا۔ ہمارا ارادہ تھا کہ یہ فنڈ محب الدین الخطیب کو بھیجا جائے۔ محب الدین الخطیب الفتح جریدہ نکالا کرتے تھے۔ انھوں نے مسئلہ فلسطین کے متعلق لکھا اور لوگوں کو اس مسئلے کے حقیقی پس منظر سے روشناس کرایا۔ اس وقت مسئلہ فلسطین کے متعلق [illegible] محب الدین الخطیب [illegible] لکھا کرتے تھے۔ محب الدین الخطیب الفتح میں اور رشید رضا المنار میں لکھا کرتے تھے۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ خود عالم عرب میں بھی لوگ مسئلہ فلسطین سے بے خبر تھے۔

محمد البنا اور محمود الحافظ ہمارے پاس آئے اور کہا کہ: ''فلسطین کے مسئلے سے ہمارا تعلق ہے۔ ہمارے اور مجاہدین کے درمیان روابط ہیں۔ ہم انھیں اسلحہ اور مالی امداد پہنچاتے ہیں۔ آپ بھی فنڈ اکٹھا کر کے دیں ہم آگے پہنچا دیں گے''۔ ان کے کہنے پر جمع شدہ فنڈ لے جا کر میں نے محب الدین الخطیب کے سپرد کر دیا۔ ان حضرات کا شمار اخوان المسلمون کے بنیادی، اہم ترین ارکان اور اوّلین داعیوں میں سے ہوتا تھا۔ انھوں نے مجھے اخوان المسلمون کی بعض کتابیں اور رسالے بھی دیے۔ پھر میں اپنے شہر واپس آ گیا۔

○ آپ اس وقت کہاں رہتے تھے؟

● ہم فاقوس میں تھے، فاقوس مشرقی ضلع اسماعیلیہ سے صرف ایک کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ برطانوی افواج کی چھاؤنیاں فاقوس کے قریب تھیں۔ سمگلر، برطانوی فوجی چھاؤنیوں سے اسلحہ اسمگل کر کے ہمیں فروخت کرتے تھے، خود ہندستانی فوجی بھی ہمیں اسلحہ بیچ دیتے تھے، ہم یہ اسلحہ فلسطین پہنچاتے تھے۔

○ آپ بتا رہے تھے کہ آپ نے اخوان المسلمون کا لٹریچر پڑھا؟

● جی ہاں، اخوان کے ساتھیوں سے ملنے والی کتب کے بعد میں نے اخوان المسلمون

کے مرکز سے مزید کتب لیں، اخوان کا مرکز اس وقت 'شارع سد' پر سیدہ زینب کے علاقے میں واقع ایک گھر میں تھا۔ ان گھروں کا شمار تاریخی اور آثار قدیمہ میں ہوتا ہے۔ گھر کا صحن بہت کھلا تھا۔ جہاں درخت اور پودے لگے ہوئے تھے۔ یہ گھر سڑک پر نہیں بلکہ گلی کے اندر تھا، اس وقت تک اخوان المسلمون کے ساتھ ہمارا تعلق صرف اتنا ہی تھا۔ پھر ایک سال گزر گیا۔ میری خواہش تھی کہ امام البنا سے ملاقات ہو لیکن سال بھر نہ میں امام حسن البنا سے مل سکا اور نہ میرا اخوان المسلمون سے مزید رابطہ ہوا۔ پھر میں جامعہ الازہر کی کلیہ اصول الدین میں داخل ہو گیا۔

حج کے موقع پر جامعہ ازہر نے حج کے لیے ازہری طلبہ کا ایک وفد بھیجنے کا اعلان کیا۔ حکومت نے اس وفد سے تعاون کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ بحری جہاز کی کمپنی وفد سے آدھا کرایہ و صول کرے گی۔ مصری حکومت نے وفد میں شریک ہر فرد کو ۱۰ مصری پاؤنڈ دینے کا اعلان کیا۔ دوسری جانب سعودی حکومت نے ٹیکس وغیرہ نہ لینے کا اعلان کیا۔

ہمارے لیے یہ فریضہ حج ادا کرنے کا سنہری موقع تھا۔ میں بھی حج وفد میں شامل ہو گیا۔ ہمارے دوست شیخ خلف السید نے حج پر جانے والوں کو اپنے گھر پر چائے کی دعوت دی۔ وہ اس وقت ہمارے ساتھ طالب علم تھے۔ بعد میں وہ مجمع البحوث الاسلامیہ کے ڈائرکٹر بنے۔ چائے کی نشست کے دوران میں انھوں نے بتایا کہ الشیخ حسن البنا نے جامعہ ازہر کے حج وفد کے لیے دعوت کا اہتمام کیا تھا۔ آپ کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ میں نے کہا اللہ تیرا بھلا کرے میری تو ان سے ملنے کی بڑی خواہش تھی۔ تم نے موقع ضائع کر دیا، چائے کا کپ تو بعد میں کبھی پی لیتے لیکن ان سے ملاقات --؟ انھوں نے کہا کہ فکر نہ کریں شیخ حسن البنا حج وفد کو الوداع کہنے کے لیے ریلوے اسٹیشن پر بھی جائیں گے۔ وہ چاہتے ہیں کہ خود طلبہ اور اساتذہ کے وفود کو خدا حافظ کہیں۔

مصر کی کسی جماعت یا تنظیم نے حاجیوں کو دعوت نہیں دی تھی۔ صرف امام حسن البنا نے حج پر روانہ ہونے والوں کی دعوت کا اہتمام کیا، انھیں ریلوے اسٹیشن پر الوداع کہا۔ ہم اسٹیشن پر امام حسن البنا سے ملے۔ میں ان سے مل کر بے پناہ خوش تھا۔ امام حسن البنا، کی شخصیت سنت کے مطابق ڈھلی ہوئی تھی، ان کی داڑھی سیاہ تھی۔ انھوں نے ملتے ہوئے مجھے گلے لگا لیا، میرے لیے مسنون دعا پڑھی: استودعکم اللّٰہ دینک و امانتک وخاتم عملک وزودک اللّٰہ بالتقوی۔ میں آپ کے

دین آپ کی امانتوں اور آپ کے انجام کار کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کے تقویٰ میں اضافہ فرمائے۔ پھر انھوں نے مجھے وہی بات کہی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے کہی تھی۔ انھوں نے فرمایا: ''اپنی دعاؤں میں اپنے بھائی کو نہ بھولنا''۔ میری ان سے یہ پہلی ملاقات تھی۔

امام حسن البنا کا ایک تعارف ان کی کتب پڑھ کر ہوا تھا، لیکن میں نے انھیں تصوراتی طور پر پہچانا تھا، حج پر جانے والے ان کے ساتھیوں کے درمیان رہ کر مجھے خود امام البنا کو عملی طور پر جاننے کا موقع ملا۔ جیسے ہی ہم بندرگاہ پہنچے تو کچھ نوجوان ہماری بس کی طرف لپکے۔ انھوں نے ہمارا سامان اتارنا شروع کردیا۔ ان میں سے بعض نوجوان بس کے اوپر چڑھ گئے تھے اور وہ نیچے والوں کو سامان پکڑاتے۔ میں نے سمجھا شاید یہ بحری جہاز کے ملازمین ہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ اخوان المسلمون کے اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ نوجوان تھے، جو اپنے بھائیوں کی بے لوث خدمت کے لیے کوشاں تھے۔ ہم بحری جہاز پر سوار ہوگئے۔ جہاز والوں نے ہماری پذیرائی کی۔ ہم ازہری طلبہ کی [redacted] استطاعت تھے، وہ دوسرے درجے میں سوار ہوئے۔ ہمارا سامان: ایک تکیہ، ایک کمبل، ایک جاے نماز اور ایک بیگ پر مشتمل تھا۔ اخوان المسلمون کے ان نوجوانوں میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو قرآن نہ پڑھتا اور تہجد نہ ادا کرتا ہو۔ بحری جہاز میں ایک کشادہ صحن تھا۔ یہ تمام نوجوان ہمارے ساتھ صحن میں باجماعت نماز ادا کرتے۔ ان میں سے ایک شخص کو اذان دینے کا بہت شوق تھا، وہ ڈاکٹر عبدالمنعم فتحی تھے۔ عبدالمنعم فتحی اس وقت میڈیکل کالج میں سال اول کے طالب علم تھے۔ بعدازاں وہ میڈیکل کالج کے فیکلٹی ڈین بنے۔ اشتراکی روس میں ان کے ہاتھ پر لوگوں کی بہت بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا۔

○ امام حسن البنا نے آپ کو حج کے لیے الوداع کہا، آپ کی ان سے یہ پہلی ملاقات تھی---؟

● جی ہاں یہ میری ان سے پہلی ملاقات تھی۔ حج کے سفر کے دوران میں، میں نے اخوان المسلمون کے نوجوانوں کے حسن سلوک سے حسن البنا کی شخصیت کو پہچانا۔ ان نوجوانوں میں

کس قدر جذبہ تعاون تھا اور ان میں کس قدر شرافت تھی، وہ بھائیوں کی پکار پر مدد کے لیے کس طرح بے چین ہو جاتے تھے۔

○ظاہر ہے آپ اس وقت تک اخوان المسلمون میں شامل نہیں ہوئے تھے ؟

● نہیں میں اس وقت تک اخوان المسلمون میں شامل نہیں ہوا تھا۔ البتہ زبانی طور پر تو میں اخوان المسلمون میں اس وقت شامل ہو گیا تھا جب محمد البنا ہمارے پاس آئے تھے۔ ہمارا ان سے رابطہ تھا اور انھی کے ذریعے اخون المسلمون کے حالات معلوم ہوتے رہتے تھے۔ ہم نے مقامی تنظیم بھی بنائی تھی۔ میرے ایک ساتھی کو اس تنظیم کا خزانچی اور دوسرے ساتھی کو صدر بنایا گیا تھا۔ ہمارے پاس اخوان المسلمون کا لٹریچر اور ترانے تھے، اس کے علاوہ ہمارے علاقے میں دعوت کا کوئی خاص کام نہیں ہوا تھا۔ بعد میں ہم الگ الگ کالجوں میں چلے گئے تھے۔

جب ہمارا قافلہ سعودی عرب پہنچا تو سعودیہ کے شاہ عبدالعزیز کی جانب سے ہماری رہایش کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ وفد ۳۵ افراد پر مشتمل تھا جس میں ۱۴ اساتذہ اور باقی طلبہ تھے۔ البتہ از ہر یونی ورسٹی کے دوسرے وفود کو شامل کر کے یہ تعداد ایک سو تک پہنچ جاتی تھی۔ شاہ عبدالعزیز کی جانب سے ترکوں کے اسکول کی ایک بڑی عمارت میں ہماری رہایش کا انتظام تھا۔ سعودی عرب کے فوجی جوانوں کی حالت خستہ تھی۔ ان کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب سعودی عرب میں تیل کے ذخائر دریافت نہیں ہوئے تھے۔

○یہ کس سال کی بات ہے ؟

● یہ ۱۹۳۷ء کی بات ہے۔ بادشاہ نے ہماری مہمان داری کی، ہمارے لیے ایک سو بکرے، چینی، چائے، قہوہ اور دیگر اشیاے خورد و نوش بھیجی گئیں۔ ہم اکٹھے ایک جگہ رہے۔ اخوان المسلمون کے ساتھیوں نے کھانا پکانے، بازار سے سامان لانے اور برتن وغیرہ دھونے کے لیے نظام کار وضع کیا۔ جس کے تحت مختلف ساتھیوں کے حصے میں مختلف کام آئے۔ کسی کی ذمہ داری کھانا پکانا تھا۔ کسی کی برتن دھونے اور بازار سے سامان لانے کی۔ میں برتن دھونے والی ٹیم میں تھا۔ میری باری کے دن اخوان المسلمون کا ایک نوجوان میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں تمھاری جگہ پر برتن صاف کر دیتا ہوں۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا: ''اس کی ضرورت نہیں

ہے، میں برتن دھو سکتا ہوں''۔ اخوان المسلمون کے نوجوان دوسروں کی خدمت میں اپنے آپ کو مصروف رکھتے۔ امام حسن البنا کے تربیت یافتہ نوجوانوں اور یونی ورسٹی کے دوسرے طلبہ کے درمیان بہت فرق تھا۔ سامان خوردونوش میں ہمارے پاس اس وقت صرف بس بکرے ہی تھے۔ آج کی طرح دیگر ممالک کی کوئی چیز سعودی عرب میں نہیں ملتی تھی۔ دوسرے طالب علم کھانے میں طرح طرح کے عیب نکالتے۔ اخوان کے ساتھی انھیں سمجھاتے کہ: ''ہم یہاں پر صرف کھانے کے لیے نہیں آئے۔ یہ لوگ جو ہمیں کھانے فراہم کر رہے ہیں، ہماری مہمان نوازی کر رہے ہیں، ہمیں ان کا شکریہ ادا کرنا چاہیے، ان کے لیے دعا کرنی چاہیے''۔ اخوان کے نوجوان کھانے میں کبھی کوئی عیب نہ نکالتے تھے۔ انھیں اگر کھانا پسند ہوتا تو کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔ اگر تاخیر سے پہنچنے کے باعث ان میں سے کسی ساتھی کو کھانا نہ ملتا تو کبھی یہ نہ پوچھتے ان کا کھانا کہاں ہے۔ جب پھل وغیرہ تقسیم کیے جاتے اور کسی ساتھی کو پھل نہ ملتا تو وہ کبھی جھگڑا نہ کرتے۔ ان نوجوانوں کے صبر، شکر، ایثار اور ہمدردی کے بہت ہی حیران کن قصے ہیں، کہاں تک ان تفصیلات کا تذکرہ جاری رکھوں!

○ جی---آپ جاری رکھیے یہ بہت مفید اور دل چسپ باتیں ہیں۔

● ہم فریضہ حج کی ادا کر کے فارغ ہوئے تو مدینہ منورہ جانے کی تیاری کی۔ تمام طالب علم بسوں پر سوار ہو گئے۔ ہمیں کسی بس میں نہ بیٹھنے دیا گیا۔ جس بس کے پاس جاتے وہ کہتے کہ: ''کوئی جگہ نہیں، یہ بس صرف شعبہ ادب کی ہے''۔ دوسری بس والوں نے کہا کہ: ''یہ کلیۃ العلوم کی بس ہے''۔ تیسری بس والوں نے کہا کہ: ''یہ میڈیکل کالج یا انجینیرنگ ڈیپارٹمنٹ کی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینہ منورہ روانگی کی تیاری ہے، لیکن بس پر سوار ہونے کے لیے جھگڑا ہو رہا ہے۔ چاروناچار ہم اساتذہ کے پاس گئے اور پوچھا کہ ہماری بس کون سی ہے، شیخ غرباوی نے احمد امین سے کہا کہ ہم اکٹھے آئے ہیں اور اکٹھے واپس جائیں گے''۔ احمد امین نے جواب دیا: ''آپ کی بس موجود ہے۔ آپ اس میں جا کر سوار ہو جائیں''۔ ہم نے کہا کہ: ''لیکن وہ بس ہے کہاں ذرا ہمیں بھی دکھا دیں''۔ احمد امین نے کہا کہ: ''تم نے اس طرح بات کر کے میری بے عزتی کی ہے''۔ ہم نے جواب دیا کہ صرف اتنا ہی تو پوچھا ہے کہ ہماری بس کہاں ہے۔ اس میں بے عزتی کی کیا بات ہے۔ احمد امین نے کہا کہ ہمارے ہاں اس طرح بات کرنے کو بے عزتی

سمجھا جاتا ہے۔ غرباوی صاحب نے ہم سے کہا چھوڑیے، یہ لوگ نہیں جانتے کہ وہ اللہ کے نزدیک کتنی بڑی بات کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ومن یرد فیه بالحاد بظلم نذقه من عذاب الیم۔ ''اس مسجد (حرام) میں جو بھی راستی سے ہٹ کر ظلم کا طریقہ اختیار کرے گا اسے ہم دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے''۔ شیخ غرباوی ہمیں وہاں سے لے گئے۔ انھوں نے کمپنی سے بات کر کے بس کا انتظام کیا۔ ہم سب سے آخر میں چلے لیکن یہ اللہ کا فضل و کرم تھا کہ سب سے پہلے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ اخوان المسلمون کے طلبہ نے جھگڑا کرنے والے طلبہ کو سمجھایا تھا کہ بس پر سوار ہونا ان کا بھی حق ہے، لیکن دوسرے طلبہ نے بات تک نہ سنی۔ جن صاحب نے شیخ غرباوی سے کہا تھا کہ تم نے ہماری بے عزتی کی ہے، ان کی بس راستہ گم کر بیٹھی، اور تین دن تک صحرا میں بھٹکتی رہی۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت مکہ سے مدینہ تک سڑک پختہ نہیں ہوا کرتی تھی۔ گاڑیاں ریت پر چلتی تھیں۔ گرد و غبار سے آگے جانے والی گاڑیاں نظر نہ آتی تھیں۔ بس کا ڈرائیور راستہ گم کر بیٹھا اور ایسی وادی میں پہنچ گیا جس کا نام وادی النار یعنی آگ کی وادی تھا۔ واللہ اس کا نام وادی جہنم تھا۔ ان دنوں ہیلی کاپٹر وغیرہ بھی نہیں ہوتے تھے کہ صحرا میں گم شدہ گاڑیوں کو ان کے ذریعے تلاش کرلیا جائے۔ گم شدہ گاڑی کی تلاش کے لیے بدوؤں کو بھیجا گیا۔ بالآخر تین دن کے بعد انھیں تلاش کرلیا گیا۔ لیکن معلوم ہے بھوک اور پیاس سے ان کا حال کیا ہو چکا تھا؟ خورد و نوش کی تمام اشیا ختم ہو چکی تھیں اور وہ پینے کے لیے اپنا پیشاب تک برتن میں محفوظ کرنے پر مجبور تھے۔

اس وقت مدینہ منورہ کے دروازے شام کے وقت بند کر دیے جاتے تھے۔ شام سے پہلے شہر میں داخل ہو گئے تو ٹھیک، ورنہ مدینہ میں داخلے کے لیے صبح تک انتظار کرنا پڑتا۔ ہم غروب آفتاب سے پہلے مدینہ پہنچ گئے اور حکومت نے جہاں پر ہماری رہایش کا انتظام کیا تھا سیدھا وہاں چلے گئے۔ یہ قصہ اخوان المسلمون کے نوجوانوں کی سیرت کی ایک مثال ہے۔ اُن نوجوانوں کی مثال ہے جنھوں نے امام حسن البنا سے تربیت حاصل کی۔ جو نیکی، بھلائی، تعاون، قربانی اور ایثار کے لیے ہر وقت کمربستہ رہتے۔ وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے اور اللہ ان کا حامی و ناصر تھا، سبحان اللہ۔

ہم حج سے واپس مصر آئے تو میری سب سے اولین خواہش اس شخصیت سے ملاقات تھی جنھوں نے ان نوجوانوں کو تربیت دی تھی۔ یہ نوجوان جو میری ڈیوٹی پر خود برتن صاف کرتے، جو میرا سامان اٹھاتے، جو باجماعت نماز ادا کرتے، جو قرآن پاک کی تلاوت کرتے، جو ذکراللہ میں مشغول رہتے، جو تہجد پڑھتے، صبر اور شکر کے راستے پر چلتے، ان نوجوانوں کا شیوہ نیکی، بھلائی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھا۔ انھی نوجوانوں کے شیخ سے ملنا میری سب سے بڑی خواہش تھی۔ میں اس وقت قاہرہ میں تُصن روڈ پر مقیم تھا۔ اسی روڈ پر ایک طالب علم رہتا تھا، جمال عامر۔ وہ فیکلٹی آف فارمیسی کا طالب علم تھا اور امام حسن البنا کے نمایندے کی حیثیت سے ہمارے شہر کا دورہ بھی کر چکا تھا۔ ایک دفعہ اسی روڈ پر میری اس سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے مجھ سے پوچھا تم کس جگہ مقیم ہو؟ میں نے بتایا کہ اسی شارع پر رہتا ہوں۔ اس نے کہا میرا گھر بھی یہیں پر ہے اور بتایا کہ آج منگل کا روز ہے۔ آج الشیخ حسن البنا کا ہفتہ وار درس ہے۔ میں نے اس پر بارک اللہ فیک کہا اور ہم درس سننے چلے گئے۔ اس وقت اخوان المسلمون کا مرکز (دارالاخوان) عقبہ میں تھا۔ عقبہ، قاہرہ کا سرسبز علاقہ ہے۔ مختلف علاقوں، عباسیہ مصر الجدید، الشافعی، سیدہ زینب اور شُبرہ سے آنے والی ٹرامیں یہیں آکر ملتی ہیں۔ اخوان اسی گھر میں آکر آپس میں ملتے تھے۔ یہ قدرے کشادہ مکان تھا۔ اس میں پانچ کمرے تھے اور ایک وسیع وعریض صحن تھا، جہاں پر کرسیاں لگی ہوئی تھیں اور امام حسن البنا درس قرآن کریم دے رہے تھے۔ یہ مرکز ازہر روڈ کے ساتھ ملی ہوئی سڑک پر واقع تھا۔

○ یہ درس کس وقت تھا؟

● مغرب کی نماز کے بعد درس تھا۔ جس وقت ہم وہاں پہنچے تو امام حسن البنا درس دے رہے تھے۔ ان کی گفتگو منظم و مرتب تھی۔ ان کے الفاظ گویا لڑی میں پروئے ہوئے موتی تھے۔ وہ بہت کم جذباتی ہوتے۔ ان کی گفتگو دل کو بھاتی اور عقل کو اپیل کرتی۔ وہ مسلمانوں کی عظمت اور اسلام کی بڑائی کی بات کرتے۔ ان کا اسلوب جدید تھا اور اس روایتی اسلوب سے ہٹ کر تھا جو ہم دوسری جماعتوں کے لوگوں اور علما کے خطبوں میں سنا کرتے تھے۔ اس وقت مصر کی جماعتیں فروعی مسائل میں گھری ہوئی تھیں، ان کی دعوت چند مخصوص موضوعات تک محدود تھی۔ ایک جماعت

صرف نماز اور سنت کی دعوت دیتی تو دوسری جماعت کا زور صرف عقیدے پر ہوتا، تیسری جماعت قبروں پر جانے سے روکنے کے لیے اپنی طاقت صرف کرتی۔ حتیٰ کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگاتے۔ جہالت عام تھی، لوگ ان کی باتوں میں آجاتے۔ لوگوں سے جو کچھ کہا جاتا، وہ جہالت کی وجہ سے مان لیتے تھے، مگر امام حسن البنا جو پیغام دے رہے تھے۔ اس میں عقیدے اور عبادت کی دعوت تھی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دعوت تھی۔ مسلمانوں کے معیار کو بلند کرنے کی دعوت تھی۔

درس ختم ہوا تو ایسے محسوس ہوا کہ مجھ میں نئی روح پھونک دی گئی ہے۔ پھر ہم ان سے ملنے کے لیے آگے بڑھے۔ انھوں نے دو ماہ کے بعد بھی مجھے پہچان لیا۔ بڑی گرم جوشی سے گلے لگایا اور کہا خوش آمدید۔ امام کو محمد البنا نے ہمارے بارے میں بتا دیا تھا کہ یہ کچھ نوجوان ہیں جو جذبہ رکھتے ہیں اور انھوں نے فلسطین کے لیے فنڈ اکٹھا کیا ہے۔ اس طرح میرے بارے میں ان کو کچھ اندازہ تھا۔ دفتر سے نکلنے سے پہلے ہی میں ان کے ہاتھ پر بیعت کر چکا تھا کہ: ''میرا ایمان اللہ پر ہے، میرا عمل میرے دین کے لیے ہے، مجھے اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ہے۔ ایمان، عمل اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں''۔

○ انھوں نے آپ سے بیعت کا کہا تھا یا آپ نے ان سے درخواست کی تھی؟

● نہیں نہیں: میں نے خود ان سے بیعت کی درخواست کی تھی۔ انھوں نے ہم سے بیعت کا نہیں کہا تھا۔ جب ہم نے کہا کہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں تو انھوں نے ہمیں بیعت کی حقیقت سے آگاہ کیا۔ ایمان، عمل اور جہاد کی اہمیت بتائی اور ہماری بیعت قبول کر لی۔ پھر ہم اخوان کے مرکز میں گھومتے پھرے۔ اس میں مختلف شعبے تھے۔ ایک شعبہ اسکاؤٹس کے لیے تھا۔ ایک شعبہ فلسطین کا تھا۔ ایک شعبہ عالم اسلام کے لیے تھا۔ مصر میں کوئی ایسی تنظیم نہیں تھی جو لوگوں کا اس طرح استقبال کرتی ہو۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ دارالاخوان میں ایک شعبہ فلسطین کے متعلق تھا۔ جس میں مسئلہ فلسطین کو اجاگر کرنے، یہودیوں کے بائی کاٹ کی مہم اور فنڈ اکٹھا کرنے کا کام ہوتا تھا۔ میں ذاتی طور پر مسئلہ فلسطین میں بہت دل چسپی لیتا تھا۔

پھر میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دن آیا۔ مصر میں میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم بڑے جوش و

خروش سے منایا جاتا ہے۔ مصر کی ہر وزارت میں بڑے بڑے شامیانے لگائے جاتے جن میں محفل اذکار کا اہتمام ہوتا۔ سب لوگوں کے دل متوجہ ہوتے ہیں، ایسے میں انھیں سیرت کا حقیقی پیغام پہنچانے اور سمجھانے میں بہت مدد ملتی ہے۔ اس لیے اخوان المسلمون بھی ان تقریبات میں پوری گرم جوشی سے حصہ لیتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ اس سال ہم نے ان تقریبات میں انگریزوں اور یہودیوں سے بائی کاٹ کے حوالے سے لٹریچر تقسیم کیا۔ برطانوی انگریزوں ہی نے یہودیوں کو سرزمین فلسطین دینے کا وعدہ کیا اور اس طرح عالم اسلام کے سینے میں خنجر گھونپا تھا۔ انگریزوں ہی نے مسلمانوں کے ساتھ زیادتی کرتے ہوئے فلسطین میں اس شجر خبیثہ کا بیج بویا تھا۔ انگریزوں ہی نے مال و دولت، اسلحہ اور ہر طریقے سے یہودیوں کی مدد کی تھی۔

○ آپ نے دار الاخوان کو دیکھا۔ امام حسن البنا کے ہاتھ پر بیعت کی، اخوان المسلمون سے منسلک ہونے کے بعد کیا سرگرمیاں رہیں؟

● یہودیوں کا بائی کاٹ کرنے کے حوالے سے شائع شدہ پمفلٹ اور پوسٹر تقسیم کرنے کی ذمہ داری لگائی گئی۔ پوسٹر پر ان تمام یہودیوں کے نام تھے جو اسکندریہ، قاہرہ، صعید یا دوسرے شہروں میں تجارت کر رہے تھے۔ یہودی معدنیات، ادویہ، پرفیومز، کاسمیٹکس ہر قسم کا کاروبار کرتے تھے۔ اس پوسٹر پر مصر میں کام کرنے والی یہودی کمپنیوں کے نام تھے۔ میری اور صالح العشماوی کی ذمہ داری یہ پمفلٹ تقسیم کرنے اور پوسٹر لگانے کی تھی۔

○ صالح العشماوی اس وقت اخوان کے سیکرٹری تھے؟

● جی ہاں! صالح العشماوی اس وقت سیکرٹری تھے۔ وہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ہونے والے جلسوں میں پوسٹر تقسیم کرنے گئے۔ ان جلسوں میں مصر کے مختلف علاقوں کے لوگ آئے ہوئے تھے۔ میری اور ایک اور ساتھی جن کا نام طاہر عبدالمحسن تھا کے ذمے شارع ازہر کے کھمبوں اور دیگر جگہوں پر پوسٹر چسپاں کرنا تھا۔ اسی طرح ان مغربی علاقوں میں پوسٹر چسپاں کرنا تھے، جہاں پر یہودیوں کے محلے تھے۔ ہم پوسٹر لگاتے ہوئے جامعہ ازہر تک پہنچ گئے۔ جامعہ ازہر میں طلبہ کی بھرپور تعداد تھی اور وہ امتحانات کی تیاری کر رہے تھے۔ ہم جامعہ ازہر گئے تو ہاسٹل میں مقیم ایک طالب علم نے کہا کہ: ''آپ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ اللہ آپ کو اجر دے۔

میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں"۔ وہ اصرار کر کے ہمارے ساتھ ہولیا۔ اس نے پوسٹر اٹھا لیے۔ طاہر عبدالمحسن پوسٹر لگانے میں میری مدد کرتے۔ ہم شارع ازہر پر پوسٹر لگانے کے بعد میدان کبری کے علاقے میں گئے۔ وہاں پر بجلی سپلائی کا ایک کمرہ تھا جس پر انگلش میں لکھا ہوا تھا danger یعنی خطرہ۔ ہم نے کہا خطرہ کیسا اس پر بھی پوسٹر لگاتے ہیں۔ جب ہم نے وہاں پوسٹر لگانا چاہا تو ایک پولیس والا آ گیا اور فرمانے لگا "پوسٹر لگانا منع ہے"۔ ہم نے کہا نہیں یہ پوسٹر ممنوعات میں سے نہیں ہے یہ کوئی خراب پوسٹر نہیں بلکہ یہ تجارتی اطلاع سے متعلق ہے۔ اس نے کہا نہیں تم یہ پوسٹر نہیں لگا سکتے۔ افسوس کہ وہ نیا طالب علم اس مکالمے سے گھبرا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ پولیس والوں نے پیچھا کر کے اسے پکڑ لیا۔ ہم نے پولیس والوں سے اس کی جان چھڑانے کی کوشش کی، لیکن بے سود۔ حتیٰ کہ ہم تھانے پہنچ گئے۔ وہاں تھانے والوں نے کہا کہ تم سب کو اندر کرنا چاہیے تھا۔ ہمارے اس ساتھی کو دو ہفتے تک قید میں رکھا گیا۔ افسوس کہ حکومت یہودیوں کا بائی کاٹ کرنے والوں کے خلاف کارروائی کرنے پر مصر تھی۔ ہم نے اس ساتھی کو جیل میں کمبل، بستر، کھانا مٹھائی وغیرہ سب کچھ بھیجا۔ اسے ایسے کمرے میں رکھا گیا تھا جہاں کچھ نہ تھا۔ وہ زمین پر سوتا تھا۔ بعدازاں جب مجھے گرفتار کیا گیا تو میں جیل کے کمرے میں اپنا چوغا اتار کر نیچے بچھا لیا کرتا تھا۔ اس وقت معلوم ہوا کہ چوغے کا کتنا فائدہ ہے۔

○ تو گویا پوسٹر لگانا مرکز میں آپ کی پہلی ذمہ داری تھی؟

● جی ہاں! یہودی مصنوعات کے بائی کاٹ کی مہم میں شرکت، پوسٹر لگانا اور فنڈ جمع کرنا اخوان المسلمون کی تنظیم میں میرا پہلا عملی قدم تھا۔ اخوان المسلمون کے ساتھیوں نے فلسطین کے فنڈ جمع کرنے کے لیے رسیدیں چھپوائی ہوئی تھیں۔ ہم یہ رسید بک لے کر قہوہ خانوں میں گئے، جہاں مصر کے بڑے بڑے مال دار لوگ بیٹھتے تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ یہ امیر کبیر لوگ کھلے دل سے تعاون کریں گے، لیکن اللہ کی قسم ان بڑے بڑے لوگوں کا دل بہت چھوٹا تھا۔ میں اور عبدالمحسن ایک قہوہ خانے میں ایک شخص کے پاس گئے تو اس نے دو یا شاید پانچ پیسے دیے۔ طاہر عبدالمحسن نے اس سے کہا کہ: "گستاخی معاف ہم بھکاری نہیں ہیں کہ تم ہم کو دو پیسے تھما رہے ہو"۔ میں نے طاہر سے کہا کہ چھوڑو جھگڑا نہ کرو، اللہ کہیں اور سے انتظام کر دے گا، ہم وہاں سے نکل آئے سڑک

پر چل رہے تھے، کہ ایک چوکیدار نے ہمیں دیکھا۔ وہ کچھ چلنے کے بعد ہماری طرف مڑا۔ اس نے ہم سے پوچھا کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ ہم نے بتایا: ''فلسطین کے لیے فنڈ جمع کر رہے ہیں۔'' اس نے جیب میں جو کچھ تھا نکال کر ہمیں دے دیا۔ ایسے غریب اور متوسط لوگ، فلسطین کے لیے ہم سے تعاون کرتے تھے۔ یہ ایسے ایمان والے لوگ تھے جن کے دل میں بھلائی اور خیر کا جذبہ موج زن تھا۔ مجھے اس مہم کے دوران بہت سے حقائق جاننے کا موقع ملا۔ یقینی بات ہے کہ بعض امیر لوگوں کے دلوں میں بھی بھلائی کا جذبہ ہے۔ لیکن ان کا تناسب غریب اور متوسط لوگوں سے بہت کم ہے۔

○ مسئلہ فلسطین کے حوالے سے اخوان کا کردار ناقابل فراموش ہے، اس ضمن میں کچھ اور تفصیل.......؟

● اقصیٰ کی آزادی کے لیے ہمارے فلسطینی بھائیوں نے جو بھی جدوجہد کی اخوان اسی کا حصہ تھے۔ ملک کے اندر بھی یہ مسئلہ ہماری سرگرمیوں کا مرکز و محور تھا ایک بار اخوان المسلمون نے وزیراعظم کے خلاف مظاہرہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ طے پایا کہ قاہرہ شہر کے وسط (شارع فوادالاول) سے مظاہرے کا آغاز کیا جائے گا۔ وہاں امریکیوں کا پڑاؤ تھا۔ ہم نعرے بلند کر رہے تھے:

فلسطین زندہ باد،　　یہودی مردہ باد،　　انگریز مردہ باد

اچانک پولیس کی گاڑیاں اخوان المسلمون کو گرفتار کرنے آ گئیں۔ لوگ یہ منظر دیکھ کر بڑے حیران ہوئے کہ اخوان المسلمون کے نوجوان بلاخوف، خود پولیس کی گاڑیوں پر چڑھ گئے۔ انھوں نے انگریزوں اور یہودیوں کے خلاف نعرہ بازی کی۔ یہ بڑی دل چسپ بات تھی کہ پولیس آپ کو گرفتار کرنے آتی ہے اور آپ خود کود کر گاڑی پر چڑھ جاتے ہیں۔

حکومت کو احساس ہوا کہ یہ تو ایک ہمہ گیر اور منظم جماعت بن گئی ہے۔ اس نے جماعت کو ختم کرنے کے لیے کارروائی شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اخوان المسلمون کو ثابت قدم رکھا اور یہ قافلہ رواں دواں رہا۔ اخوان، فلسطین کی مدد کے لیے لکھتے، فلسطین کے لیے تقریریں کرتے، ان کے لیے دعائیں کرتے، ان کے لیے فنڈ جمع کرتے۔ تب مسئلہ فلسطین عروج پر تھا۔

ہم نے مصر میں موجود یہودی تاجروں اور کمپنیوں کے بائی کاٹ کا فیصلہ کیا، ہمارے ساتھی

یہودیوں کی دکانوں کے سامنے کھڑے ہوتے اور خریداروں کو یہودیوں کی دکانوں سے خریداری کرنے سے روکتے۔ ان کو کہتے: ''تم اپنی دولت یہودیوں کو دے رہے ہو، اس سے وہ تمھیں قتل کریں گے۔ تمھارے مسلمان بھائیوں کو قتل کریں گے اور تم سے مسجد اقصیٰ کو چھینیں گے۔'' یہودیوں کی دکانیں بڑی بڑی تھیں۔ یہ دکانیں نہیں بلکہ بازار تھے۔ ان میں گھریلو استعمال کی ہر چیز فروخت ہوتی تھی اور مصر کے تمام بڑے شہروں سکندریہ، قاہرہ، المنصورہ، ہر جگہ ان کی شاخیں تھیں۔ جب ہم دکانوں کے دروازوں پر کھڑے ہوجاتے اور خریداروں سے کہتے: ''خریداری کر کے تم یہودیوں کی مدد کر رہے ہو، یہودی جو کچھ کر رہے ہیں، کیا تمھیں اس کی خبر نہیں''۔ لوگ ہماری بات سنتے اور مانتے تھے لیکن حکومت کی طرف سے ہمارا پیچھا اور نگرانی کی جاتی اور ہمیں گرفتار کرلیا جاتا۔

○ سنا ہے امام البنا نے آپ کو اپنے نمایندے کے طور پر فلسطین بھی بھیجا؟

● جی ہاں: یہ ۱۹۴۶ء کی بات ہے۔ امام البنا کو شامی حکومت کی طرف سے دعوت ملی کہ ہم شام سے فرانسیسی فوجوں کے انخلا کی پہلی سالگرہ کے موقع پر جشن فتح منا رہے ہیں۔ اخوان بھی استعمار کے خلاف مضبوط موقف رکھتے ہیں۔ آپ بھی ہمارے ساتھ شریک ہوں۔ امام البنا نے مکتب ارشاد کے تمام ارکان سے کہا کہ شامی صدر القوتلی کی دعوت پر شریک ہوں گے۔ ہم سب نے تیاری شروع کردی پاسپورٹ بنوالیے گئے، بکنگ کروالی گئی ہمیں جمعرات کے روز دمشق جانا تھا۔ سوءِ اتفاق کہ اسی روز فلسطین کی تقسیم کے منصوبے کا اعلان کردیا گیا۔

امام البنا نے کہا کہ فلسطین میں صف ماتم بچھی ہے ایسے میں جشن فتح کیسا۔ سو دمشق جانے کا پروگرام منسوخ کردیا گیا اور مجھے امام نے کہا کہ تم ہماری طرف سے فلسطین جاؤ، وہاں کی صورت حال کا جائزہ لو اور ہمارے بھائیوں کو ہماری طرف سے حوصلہ و تسلی دینے کی سعی کرو۔ میں اسی روز شام پانچ بجے کی ٹرین سے قاہرہ سے غزہ کے لیے روانہ ہوگیا اور غزہ سے ہوتے ہوئے اگلے روز صبح ۱۰ بجے فلسطین کے اہم شہر ''یافا'' پہنچ گیا۔ ۱۲:۳۰ بجے خطبہ جمعہ شروع ہونا تھا۔ ساتھی مجھے یافا کی مرکزی جامع مسجد لے گئے اور خطبہ جمعہ کے لیے منبر پر بٹھادیا۔ میں نے فلسطینی عوام پر طاری مایوسی کو امید و حوصلے میں بدلنے کی سعی کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ آزمایش کڑی ہے لیکن یقین رکھو کہ تم تنہا نہیں نہ ہی قبلہ اول صرف تمھارا ہے، امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قبلہ اول اور اس کا

دفاع کرنے والوں کو تنہا نہیں چھوڑے گی۔ فلسطینیوں کو متحد و منظم کرنے کی کوششوں میں مزید اضافہ کر دیا گیا۔ بدقسمتی سے اس وقت وہاں ان کی کوئی قیادت موجود نہیں تھی۔ مفتی اعظم امین الحسینی کو بھی ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ فلسطین پہنچنے کے ایک ہفتے بعد میں نے مسجد اقصیٰ میں خطبہ جمعہ دیا اور پھر میں نے قریہ قریہ بستی بستی پروگرام کرنا شروع کر دیے۔ میں نے ہر جگہ دیکھا کہ بیرون ملک سے لا کر بسائے گئے یہودیوں اور نسل در نسل وہاں مقیم فلسطینیوں کی آبادیوں میں بے حد تفاوت تھا۔ یہودیوں کو برطانیہ اور دیگر مغربی ملکوں کی طرف سے بے بہا سرمایہ، آلات اور اسلحہ فراہم کیا جا رہا تھا۔ وہ دھڑا دھڑ زمینیں خرید کر آباد ہو رہے تھے' جب کہ فلسطینیوں پر غربت اور بھوک مسلط تھی۔

○آپ وہاں کتنا عرصہ رہے ؟اور امام البنا کو کیا رپورٹ دی؟

● میں ایک ماہ کی چھٹی لے کر گیا تھا۔ تب میں وزارت اوقاف میں ملازم تھا۔ لیکن میں فلسطین میں دو ماہ رہا۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ مفتیِ اعظم امین الحسینی اور دیگر فلسطینی رہنما، حلمی پاشا، شیخ ابوسعود سب ملک سے باہر تھے۔ امین الحسینی کو انگریزوں نے گرفتار کرنا چاہا تو وہ عراق چلے گئے تھے اور الرشید علی گیلا کے عہد انقلاب میں وہیں رہے۔ بعد میں وہ پولینڈ چلے گئے پھر عالمی جنگ کا پورا عرصہ وہیں رہے۔ دوسری عالمگیر جنگ میں جب سربوں نے بوسنیا، ہرزیگووینا کے مسلمانوں کو دھوکا دیا اور ان کے خاتمے کی کوشش کی تو مفتیِ اعظم نے بوسنیا کے مسلمانوں کی بہت مدد کی۔ اسی دوران انھوں نے اتحادیوں کے مخالف رہنماؤں سے ذاتی گہرے تعلقات قائم کیے۔

ا سی لیے میں نے ضروری سمجھا کہ میں فلسطین میں رہوں اور فلسطینیوں میں مایوسی اور احساس شکست کے بجائے امید اور مزاحمت کا حوصلہ پیدا کروں۔ میں نے وہاں سے امام البنا کو تفصیلی رپورٹ ارسال کرتے ہوئے بتایا کہ یہاں اسرائیلی ریاست قائم کرنے کے تمام تر انتظامات عملاً پورے کیے جا چکے ہیں اب صرف اعلان ہونا باقی ہے۔ اس عالم میں فلسطینیوں اور عالم اسلام کی ذمہ داری میں بہت اضافہ ہو چکا ہے میں نے کچھ عملی تجاویز بھی ارسال کیں۔ اسی دوران مفتیِ اعظم مصر کے سرکاری دورے پر آئے وہ مرشد عام امام البنا سے بھی آ کر ملے۔ امام البنا نے انھیں میرا تجزیہ اور تجاویز دکھائیں تو انھوں نے ان سے کامل اتفاق کیا۔

○ اس وقت پڑوسی ممالک کی حکومتوں کا کیا رویہ تھا؟

● ایک طرف فلسطینی ماتم عروج پر تھا لیکن عین انھی دنوں اردن میں عیش وعشرت اور جشن طرب کی محفلیں تھیں۔ کیونکہ انگریزوں نے ہر مسلم حکمران کو مخصوص کردار سونپ رکھا تھا۔ اور بجاے اس کے کہ کوئی فلسطینی عوام کی مدد کو پہنچتا وہ اپنے حال میں مست اور اپنے اپنے حصے کا کام کررہے تھے۔ مثال کے طور پر اردن کے امیر عبداللہ کو جو اس وقت امیر شرق اردن کہلاتا تھا، انگریزوں نے اچانک شاہ شرق اردن کا لقب دے دیا تاکہ اس کے باپ کو خوش کیا جاسکے جو عثمانی خلافت کے خاتمے کے بعد خلیفة المسلمین بننے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ 'امیر شرق اردن' کے بجاے 'شاہ شرق اردن' کہلوانے سے سرخاب کا کون سا پَر لگ جانا تھا یہ خود وہ بھی جانتا تھا۔ لیکن اس موقع پر پورے اردن میں بڑا جشن منایا گیا۔ میں اس وقت فلسطین میں تھا۔ مجھے وہاں دعوت نامہ موصول ہوا۔ میں اس ارادے سے چلا گیا کہ وہاں کوئی ذمہ دار مل جائے تو اسے فلسطین کی صورت حال سے آگاہ کروں، وہاں پہنچا تو بہت بڑے پیمانے پر خورد ونوش اور نشاط وطرب کا اہتمام کیا گیا تھا۔ عجیب امر یہ تھا کہ یہ جشن امیر سے بادشاہ بننے کا تھا اور اس تقریب کا مرکزی میزبان برطانوی جنرل گیلپ تھا۔ اسی نے سب سے پہلے مسلمانوں کا استقبال کیا اور اسی نے سب سے آخر میں خدا حافظ کہا۔

۱۹۴۵ء میں عرب لیگ تشکیل دی گئی تھی اس کے پہلے سیکرٹری جنرل عبدالرحمن عزام بھی وہاں تھے اور تقریباً تمام ممالک کے سفرا بھی تھے۔ جشن کے دوران ایک بڑے ہال میں تقاریر کا اہتمام کیا گیا تھا۔ مجھے دعوت خطاب ملی تو میں نے حمد وصلوۃ کے بعد کہا کہ میں آج فلسطین کے مفتی امین الحسینی کو سلام عقیدت پیش کرتا ہوں کہ وہ فلسطین کے لیے .... اتنا ہی کہا تھا کہ پورا ہال زبردست نعروں اور تالیوں سے گونج اٹھا۔ دیر تک تالیاں بجتی رہیں حالانکہ ہر کوئی جانتا تھا کہ آج بننے والے ملک عبداللہ اور مفتیِ فلسطین کے درمیان سخت کشیدگی پائی جاتی ہے۔ مفتیِ اعظم کی وفاداری اللہ اور اس کے رسولؐ سے تھی، جب کہ شاہ اردن کی تمام وفاداری اپنے عرش واقتدار اور انگریزوں سے تھی۔ اسے شاہ کا لقب بھی اسی لیے دیا گیا تھا کہ فلسطین کے مغربی کنارے کو اردن سے ملاتے ہوئے شرق اردن اور غرب اردن کو ایک مملکت بنادیا جائے۔ شاہِ وفادار کو اس کا اقتدار اور باقی ماندہ فلسطین کو اسرائیل مان کر مسئلہ فلسطین سے نجات حاصل کرلی جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ

نے یہ ساری سازش ناکام بنادی ان کی یہ ناکامی جہاد و مزاحمت کے باعث ہوئی ؟

اہل فلسطین نے مسلسل قربانیاں دے کر بھی علم جہاد کو سرنگوں نہیں ہونے دیا حالانکہ انگریزوں اور ان کے غلاموں نے جہاد سے نجات کی ہر ممکن کوشش کی۔ برصغیر میں جس طرح قادیانیت کا ناپاک پودا کاشت کر کے جہاد ساقط کرنے کی کوشش کی گئی اسی طرح مشرق وسطیٰ میں بہائیت سے یہ کام لینے کی کوشش کی گئی۔ یہودیوں نے بہائیت کی بنیاد رکھی۔ بہاء کی قبر فلسطین کے شہر عکا میں تھی اور عباس بہاء کی قبر حیفا میں دونوں کو بڑی شان و شوکت سے نوازا گیا۔ کیونکہ بہائیت میں جہاد کو حرام قرا دیا گیا ہے۔ مصر میں بھی اس کا بڑا مرکز بنایا گیا۔ شاہ فاروق کو بھی انھی صہیونی سازشوں کی تکمیل کے لیے استعمال کیا گیا۔ افسوس صد افسوس شاہ فاروق کا محل یہودیوں کا مدد گار و معاون تھا، ملکہ کی خصوصی خادمہ یہودیہ تھی اور خود شاہ فاروق کے گرد یہودیوں اور عیسائیوں کا جمگھٹا تھا۔

○ اخوان المسلمون میں اسی مصری معاشرے کے نوجوان تھے۔ امام حسن البنا نے ان نوجوانوں کو کس طرح تبدیل کیا، کیا ان کے پاس پارس تھا؟

● الکلمه الطیبة ،**اچھی نصیحت اور حکمت کے ساتھ دعوت:** ادع الی سبیل ربک بالحکمة و الموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن (اے نبیؐ اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو، حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے سے جو بہترین ہو)۔ وہ قائل کرنے والے انسان تھے۔ وہ اپنی رائے میں متشدد نہیں تھے۔ وہ نوجوانوں کے ساتھ رابطہ رکھتے۔ انھوں نے نوجوانوں کے لیے ہفتہ وار درس رکھا ہوا تھا۔ نوجوانوں کے لیے اسرہ کا خاص نظام بنایا۔ ہر پانچ نوجوانوں کا ایک اسرہ بنایا۔ اسرہ کے افراد آپس میں ایک دوسرے سے ملتے تھے۔ ہفتے میں ایک بار اکٹھے ہوتے۔ ان کے درمیان تعلق رہتا۔ وہ آپس میں ایک دوسرے سے تعاون کرتے تھے۔ یہ تعاون نہ صرف روحانی تھا بلکہ مادی بھی تھا۔ اسرہ کے افراد کسی دن نفلی روزہ رکھنے کا پروگرام بنا کر اکٹھے افطار کرتے۔ مل کر مطالعہ کرتے۔ ایک کتاب متعین کر لی جاتی جسے مل کر پڑھتے اور استفادہ کرتے۔ اسرہ کے اوپر ذرا وسیع تر نظام تھا، جسے کتیبہ

کا نام دیا گیا تھا۔ کتیبہ پانچ اسروں پر مشتمل ہوتا تھا۔ گویا ہر کتیبہ تقریباً ۲۵ نوجوانوں پر مشتمل ہوتا۔ کتیبہ کے افراد مہینے میں ایک دفعہ اکٹھے ہوکر شب بیداری کرتے۔ شیخ حسن البنا یا اخوان المسلمون کا کوئی اور رہنما ان کے پروگرام میں شریک ہوتا۔ وہ قیام اللیل کرتے، تہجد ادا کرتے اور قرآن کی اس آیت کے مصداق رات گزارتے:

"تتجا فی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا وطمعاً۔ ان کی پیٹھیں بستروں سے الگ رہتی ہیں۔ اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں"۔ اپنے مسائل اور مشکلات ایک دوسرے سے بانٹتے اگر کسی کو کوئی مشکل ہوتی، کسی کے بچے کی پڑھائی کا مسئلہ ہوتا یا گھر میں کوئی بیمار ہوتا تو ہر ایک دوسرے سے حسب استطاعت تعاون کرتے، اس کو مشورہ دیتے۔

○ یہ کتیبے ہر مہینہ جمع ہوتے تھے؟

● جی ہاں! کتیبے ہر مہینے جمع ہوتے، البتہ اسرہ کے افراد ہر ہفتے میں ایک بار اکٹھے ہوتے۔

ان دنوں جماعت کے سیکرٹری جنرل احمد حسن الباقوری تھے۔ احمد حسن جامعہ ازہر کی یونین کے صدر بھی رہے تھے۔ انھوں نے ہی اخوان کے اسکاؤٹس کا ترانہ لکھا جو اخوان میں بہت مقبول ہوا:

یارسول اللّٰہ ھل یرضیک أنا اخوة فی اللّٰہ للإ سلام قمنا
ننفض الیوم غبارالنوم عنا لانھاب الموت لا بل نتمنی
أن یرانا اللّٰہ فی ساح الفداء
إن نفسا ترتضی الاسلام دیناً ثم ترضی بعدہ أن تستکینا
اوتری الإسلام فی أرض مھینا ثم تھوی العیش نفس لن تکونا
فی عداد المسلمین العظماء
حبذا الموت یریح البائسین ویرد المجد للمستعبدین
فلنمت نحن فداء المسلمین سادة الدنیا برغم الکاشحین

وليسد فى الأرض قانون السماء

ان للدنيا بنا أن تطهرا   نحن أسدالله لا أسد الشرى
قد قطعنا العهد ألانقبرا   أونرى القرآن دستور الورى

كل شىء ماسوى الدين هباء

أيقظت جمعية الإخوان فينا   روح آباء كرام فاتحينا
أسعدوا العالم بالإسلام حينا   فاستجبنا للمعالى ثائرينا

وتسابقنا إلى حمل اللواء

غيرنا يرتاح للعيش الذليل   وسوانا يرهب الموت النبيل
إن حيينا فعلى مجد أثيل   أوفنينافإلى ظل ظليل

حسبنا أنا سنقضى شهداء

○آپ امام کے ہم سفر بھی رہے ؟

● جی ہاں! میں ان کا ساتھی اور معاون بن گیا۔ میں ان کے ساتھ مختلف علاقوں کے دوروں پر جاتا۔ میں ان کے ساتھ اشبیک، بنھا، المنصورہ، زقازیق کے شہروں میں گیا، وہ ہمیشہ اپنے ساتھ کسی ساتھی کو لے جاتے تھے۔ اخوان المسلمین کے ساتھیوں کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو اسے امام حسن البنا کے سامنے رکھا جاتا۔ جس کے لیے ہم تعاون کرتے۔

○آپ امام کے ساتھ صعید کے دورے پر بھی گئے ؟

● امام حسن البنا کا معمول تھا کہ وہ گرمیوں میں صعید یعنی بالائی مصر کا دورہ کرتے۔ وہ دو ماہ تک وہاں ٹھیرتے۔ صعید قاہرہ سے کافی فاصلے پر واقع ہے۔ قاہرہ اور اسوان کے درمیان تقریباً ایک ہزار کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ آنا جانا اتنا آسان نہ تھا، اس لیے امام البنا سال میں ایک ہی دفعہ گرمیوں کے موسم میں ان شہروں کا دورہ کیا کرتے تھے۔ صعید، موسم گرما میں مصر کا سب سے گرم علاقہ ہوتا ہے، حسن البنا یہ پورا عرصہ اسی علاقے میں گزارا کرتے تھے۔

میں ان کے ساتھ صعید کے دورے پر بھی گیا ہوں۔ یہ ایک یادگار سفر تھا۔ اسی سفر میں ان سے میری قربت ہوئی۔ اس یادگار سفر کے کچھ واقعات ملاحظہ ہوں:

یہ ۱۹۳۹ء کی بات ہے کہ امام حسن البنا نے مجھ سے فرمایا: ''تیار ہو جایئے، آپ ہمارے ساتھ اس سال صعید مصر جائیں گے''۔ صعید میں شدید گرمی ہوتی تھی۔ لوگ گرمی سے بھاگ کر اسکندریہ اور رأس البر جاتے، جب کہ امام حسن البنا اس کے برعکس گرمی میں داخل ہوتے۔ میں نے امام حسن البنا سے پوچھا سفر کے لیے کیا درکار ہوگا۔ انھوں نے جواب دیا صرف ۲ جنیہ (مصری پاؤنڈ)۔ تب قاہرہ سے اسوان کا کرایہ دو جنیہ تھا۔ ایک جنیہ جانے کا اور ایک جنیہ واپسی کا۔ اخوان المسلمون کے بعض اور ساتھی بھی اس سفر میں شریک ہونا چاہتے تھے، جن میں ڈاکٹر محمد الھر ولی، استاد طاہر، الشیخ محمود عوض اور دیگر ساتھی شامل تھے۔ ریل کا ٹکٹ تیسرے درجے کا تھا۔ تیسرے درجے کا سفر نہایت کٹھن ور ماحول بہت خراب ہوتا تھا۔ مسافروں کا سامان، خیمے، بیگ اور طرح طرح کی چیزیں بکھری ہوئی ہوتیں۔ سیٹوں کے درمیان چلنا ممکن نہ تھا۔ مسافروں کا ہجوم ہوتا۔ ان تمام مشکلات کے باوجود امام حسن البنا تیسرے درجے ہی میں سفر کیا کرتے تھے۔

ہم نے دو جنیہ دے دیے۔ ڈاکٹر محمد الھر ولی نے کہا کہ اگر ہم اسی کرایے میں دوسرے درجے میں سوار ہو جائیں تو کیا خیال ہے۔ امام حسن البنا نے پوچھا وہ کیسے؟ انھوں نے کہا کہ ریلوے میں ایسی ٹکٹیں ہیں جو کلومیٹر کے حساب سے ہوتی ہیں۔ جنھیں کلومیٹر ٹکٹیں کہا جاتا ہے۔ دو تصویریں اور ٹکٹیں لیں۔ ریلوے آفس چلے جائیں۔ وہ کچھ پیسے لے کر ان ٹکٹوں پر دوسرے درجے کی مہر لگا دیں گے۔ امام حسن البنا نے اس کام کے لیے میری ذمہ داری لگائی۔ میں ٹکٹیں لے کر ایک دفتر سے دوسرے دفتر کا چکر لگاتا رہا۔ کبھی جواب ملتا کہ متعلقہ آدمی موجود نہیں ہے تو کہیں جواب ملتا کہ کل آ جانا۔ بالآخر میں ناکام واپس لوٹا۔ امام حسن البنا، نے پوچھا: کیا بنا؟۔ میں نے جواب دیا بہت سے دفتروں کے چکر لگائے لیکن کچھ نہ بنا۔ وہاں پر موجود مرکز کے سیکرٹری جناب عبدالحکیم نے کہا کہ ریلوے میں میرا ایک دوست ہے میں اس کو لکھ دیتا ہوں وہ اس سلسلے میں آپ کی مدد کرے گا۔ اگلے روز میں یہ رقعہ لے کر اس شخص کے پاس پہنچا۔ وہ ایک نہایت ہی شریف اور بااخلاق انسان تھا۔ وہ ریلوے دفتر میں میرے ساتھ گیا۔ وہاں پہنچے تو وہی سلسلہ جس سے مجھے کل واسطہ پڑا تھا۔ متعلقہ آدمی نہیں ہے، ملازم نہیں ہے، کل آ جانا، جیسے جوابات ملے۔ دفتروں میں چکر لگاتے پورا دن گزر گیا لیکن کچھ نہ بنا۔ البتہ اس شخص نے تعاون کی کوئی کسر باقی نہ

چھوڑی تھی۔ واللہ میں نے اس سے زیادہ شریف، بااخلاق اور باہمت شخص نہیں دیکھا تھا۔ واپس حسن البنا کے پاس لوٹا، تمام قصہ سنایا۔ انھوں نے کہا کہ اپنے آپ کو تکلیف میں مت ڈالو۔ اللہ کی مرضی یہی ہے کہ ہم سبنسہ (ٹرین کے آخر میں لگا مال بردار ڈبہ) میں سفر کریں۔

نہ درجہ اول، نہ دوم اور نہ درجہ سوم ہم ریل کے سب سے آخری ڈبے میں سوار ہوں گے۔ ریل گاڑی کا آخری ڈبہ صرف سامان کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ اس ڈبے میں کرسی ہوتی ہے نہ کوئی بیٹھنے کی جگہ۔ امام البنا نے کہا: ''لگتا ہے اللہ کی مرضی یہی ہے کہ ہم اسی ڈبے میں سوار ہوں گے''۔

جب ہم اگلے دن صبح ریلوے اسٹیشن پہنچے تو گاڑی پر مسافروں کا بہت ہجوم تھا۔ اول، دوم اور سوم سب ڈبے بھرے ہوئے تھے۔ لوگ کھڑکیوں سے لٹکے ہوئے تھے، حتیٰ کہ گاڑی کے پایدان پر بھی پاؤں رکھنے کی جگہ نہ تھی، اس دوران میں ہمیں آخری ڈبے والے نے دیکھا، اس کو ہم پر ترس آیا۔ اس نے کہا: ''محترم ادھر آجایئے، اگلے اسٹیشن تک اس ڈبے میں سوار ہوجایئے''۔ یہ ریل گاڑی صرف بڑے اسٹیشنوں پر رکتی تھی۔ قاہرہ سے چلتی تو صرف جیزہ، بنی سویس اور اسیوط جیسے تقریباً چھے اسٹیشنوں پر رکتی۔ اس ریل گاڑی کو ایکسپریس کہا جاتا تھا۔ ہم آخری ڈبے میں سوار ہوگئے۔ بیٹھنے کی جگہ نہ تھی۔ ہمیں کھڑے ہوکر سفر کرنا پڑا۔ ہم نے کوشش کی کہ کسی جگہ پر بیگ رکھ کر اسی کے اوپر امام حسن البنا کو بٹھایا جائے، لیکن اتنی جگہ بھی میسر نہ تھی۔ جب گاڑی منیہ کے اسٹیشن پر رکی تو بعض مسافر اترے۔ امام حسن البنا نے ایک روز پہلے کہا تھا کہ واللہ ہم آخری ڈبے ہی میں سفر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم پوری کردی۔ اس وقت سے مجھے اس شخص سے ایک طرح کا خوف محسوس ہونا شروع ہوگیا۔ کیونکہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اگر وہ اللہ کی قسم کھالیتا تو اللہ اس کی قسم کو پورا کردیتا۔ میں نے دیکھا وہ کبھی ایسی ویسی بات نہ کیا کرتے تھے۔ ہم چھوٹے چھوٹے لوگ تیسرے درجے میں سفر کرنا ناپسند کرتے ہیں، لیکن حسن البنا جس نے پوری نسل کی تعمیر کی، جس نے نوجوانوں کی زندگیوں کو بدلا، جو مصر کا ایک ایک شہر اور ایک ایک قصبہ پھرا، شمال و جنوب میں کوئی ایسا شہر یا گاؤں نہیں جس میں یہ خبر نہ ہو کہ یہ آدمی تیسرے درجے میں سفر کرتا ہے۔ حالانکہ تیسرے درجے میں اور خود اس قیامت کی گرمی میں سفر ناقابل برداشت تھا۔

○صعید مصر میں کتنا عرصہ قیام رہا؟

● تقریباً ڈیڑھ ماہ تک ہم وہاں ٹھیرے۔ پھر دوسری جنگ عظیم چھڑ گئی یہ ۱۹۳۹ء کی بات ہے۔ جب جنگ چھڑی تو ہم اقسس میں تھے۔ انگریز حسن البنا کا پیچھا کرتے۔ اسٹیشنوں پر ان کے کارندے ہوتے جو امام البنا کی خبریں پہنچاتے۔

○جنگ شروع ہونے پر کیا آپ واپس لوٹ آئے یا آپ نے دورہ جاری رکھا؟

● ہم نے دورہ جاری رکھا۔ اسوان تک پہنچے۔ اسوان میں اخوان المسلمون کے ساتھی تھے۔ وہاں صالح بکر حرب تھے جو مصر کے وزیر جنگ رہے ہیں۔ وہ حسن البنا سے محبت کرتے تھے۔ اسوان عباس محمود العقاد کا شہر ہے۔ امام حسن البنا اسوان میں تعلیم یافتہ طبقے سے خصوصی ملاقاتیں کیا کرتے تھے۔ مسجد میں عام لوگوں سے بھی ملتے۔ میدانوں میں خیمے لگا کر رہنے والے لوگوں سے بھی ملتے۔

○جنگ میں امام حسن البنا اور اخوان المسلمون کا کیا موقف تھا؟

● جب جنگ چھڑی تو جرمنی نے اپنی فوجیں الجزائر اور طرابلس، لیبیا میں اتار دیں۔ انگریز شکست کھا گئے۔ انگریزوں کی شکست پر مصر میں جلوس نکالے گئے۔ ان جلوسوں میں انگریزوں کے خلاف اور جرمنی کے حق میں نعرے لگاتے ہوئے کہا جاتا: ''اے رومیل قدم بڑھاؤ اے رومیل..... (رومیل جرمن افواج کا کمانڈر تھا) تاہم اخوان المسلمون ایسے نعرے لگانے والوں میں سے نہیں تھے۔ ہم ایک قابض کو دوسرے قابض کی جگہ نہیں بٹھانا چاہتے، نہ ایک ظالم کو دوسرے ظالم سے تبدیل کرنے کے خواہاں ہیں۔ اگرچہ جرمن اس وقت جابر و ظالم تھے۔ البتہ ہمیں اس بات کی خوشی تھی کہ انھوں نے انگریزوں کو شکست دی۔ انگریزوں کو ذلیل کیا۔

اسی دوران میں انگریزی افواج کے خفیہ ادارے کے سربراہ کلومیل کلیتون نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ وہ معروف جنگی مجرم تھا لیکن اس نے مصر میں ایک مسلمان لڑکی سے شادی کر لی۔ وہ مصریوں کے دل جیتنا چاہتا تھا۔ جب جلوس نکلے کہ اے رومیل آگے بڑھو تو اس نے امام حسن البنا سے ملاقات کرنا چاہی۔ کلومیل کلیتون امام حسن البنا کے پاس آیا۔ اس نے اس سوال سے اپنی بات شروع کی: ''اخوان المسلمون انگریزوں سے کیوں نفرت کرتے ہیں؟'' سوال بڑا

عجیب تھا۔ امام حسن البنا کی دو صفتیں نمایاں تھیں: سچائی اور اپنی دعوت کے لیے ہر لحہ مستعد اور بیدار رہنا۔ امام سچائی اور تجرد کی خوبیوں سے مالا مال تھے۔ دوسری تجرد یعنی نہ دنیا، نہ اقتدار، نہ حکومت اور نہ کوئی اور چیز بس صرف اللہ کی رضا۔

امام حسن البنا نے کلومیل کلیتون سے کہا: اخوان المسلمون اس لیے انگریز حکمرانوں سے نفرت کرتے ہیں کہ انگریز ہماری زمین اور ہمارے ملک، ہماری دولت پر قابض ہیں۔ آپ کا سوال عجیب ہے کہ ہم انگریزوں سے کیوں نفرت کرتے ہیں۔ تم انگریز لوگ مصریوں سے ایک ٹن کپاس تین جنیہ میں خریدتے ہو۔ اگر یہی کپاس تم خود کاشت کرو تو ایک ٹن پر ۱۰ جنیہ خرچہ آئے۔ کیا یہ تمھارے لیے جائز ہے، کوئی بھی قوم اس ظلم کو برداشت نہیں کرے گی۔ تم جانتے ہو کہ جاپان نے ایک ٹن کپاس ۱۷ جنیہ میں خریدنے کی پیش کش کی ہے، لیکن تمھاری حکومت آڑے آتی ہے۔ ہم آپ سے کیسے نفرت نہ کریں''۔ کلومیل کلیتون نے بحث کرنا چاہی کہ: ''اخوان المسلمون ایسے ہیں ویسے ہیں''۔

امام نے جواب دیا: ''خدا لگتی بات یہ ہے کہ اخوان المسلمون سچے ہیں، وہ جھوٹ نہیں بولتے، اگر تم ہم سے انصاف کرو تو ہم تم سے محبت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ جس قیمت میں دوسرے ہم سے کپاس خریدتے ہیں تم بھی اسی قیمت پر ہم سے کپاس خریدو۔ تم قابض ہو، غاصب ہو''۔ اس کے بعد انگریز خفیہ ادارے کے سربراہ نے مصر میں اپنے سفیر اور دوسرے ذمہ داران سے ملاقات کی۔ ملاقات کے بعد کپاس کی قیمت تین جنیہ سے بڑھا کر آٹھ جنیہ کر دی گئی۔ اخبارات میں خبریں شائع ہوئیں کہ شیخ حسن البنا سے ملاقات کے بعد کپاس کی قیمت میں اضافہ کر دیا گیا۔

انگریز مہمان نے امام حسن البنا سے پوچھا اخوان المسلمون کے پاس اتنا بڑا مرکز ہے۔ اتنی رقم کہاں سے آئی؟ تو امام حسن البنا نے ازراہ تفنن جواب دیا رومیل (جرمن کمانڈ) نے پیسے دیے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: ''اخوان المسلمون کے ساتھی ایک ایک پیسہ جمع کرتے ہیں۔ ہماری جماعت کے پاس جو کچھ ہے وہ اخوان المسلمون کے ساتھیوں کے تعاون سے ہے۔ اخوان المسلمون کے ساتھی اپنے اخراجات سے بچا کر پیسے جمع کرتے ہیں''۔ پھر آپ نے فرمایا: ''

میرے جسم پر جو لباس آپ دیکھ رہے ہیں اس کی قیمت تقریباً ۶۰ قرش (پیسہ) ہے، جب کہ تمھارے لباس کی قیمت ۶۰ جنیہ (پاؤنڈ) ہے"۔

کلومیل نے کہا کہ بادشاہ سلامت نے اخوان کی مدد کے لیے ۱۰ ہزار مصری پاؤنڈ کی مدد ارسال کی ہے۔ یہ ایک بڑی رقم تھی لیکن امام حسن البنا نے اس برطانوی ذمہ دار سے کہا: "بڑے احترام سے عرض کروں گا کہ آپ پہلے شخص ہیں جس کے منہ سے سن رہا ہوں کہ شاہِ انگلستان نے اخوان المسلمون کے بیت المال کے لیے دس ہزار جنیہ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ بہت شکریہ لیکن ہم آپ کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے یہ رقم لینے سے انکار کرتے ہیں۔ یہ رقم ہم بادشاہ سلامت کے لیے بطور تحفہ پیش کرتے ہیں۔ ہمارے لیے یہ مال حرام ہے۔ امام حسن البنا نے ۱۰ ہزار جنیہ کی پیش کش مسترد کر دی اور کہا کہ اگر آج ہم آپ سے رقم لیں گے تو کل دوسروں سے بھی لے سکتے ہیں۔ پھر ہم آپ کو بھی دھوکا دے سکتے ہیں۔

یہ برطانوی فوج کے خفیہ ادارے کے سربراہ کلومیل کلیتون کا قصہ ہے جو امام حسن البنا سے کہنے آیا تھا کہ آپ برطانیہ سے کیوں نفرت کرتے ہیں۔؟

○ اس کا قبولِ اسلام؟

● وہ یقینی طور پر دکھاوا تھا۔

○ صعید کے سفر کے بعد کیا آپ اکثر اوقات امام حسن البنا کے ساتھ ہی رہے؟

● جی ہاں میں اکثر دوروں میں ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ امام حسن البنا مصر کے پارلیمانی انتخابات میں امیدوار بنے۔ بادشاہ نے نحاس پاشا کو برطرف کر کے احمد ماہر کو وزیر نام زد کیا تو اس نے ۱۹۴۵ء میں پارلیمنٹ کے انتخابات کرائے۔ اخوان المسلمون نے اصرار کر کے حسن البنا کو امیدوار نامزد کیا۔ میں انتخابی مہم میں بھی ان کے ہمراہ رہا۔

○ کیا اخوان المسلمون کی جانب سے امام حسن البنا اکیلے امیدوار تھے؟

● جی ہاں! اخوان المسلمون کی جانب سے امام حسن البنا اکیلے امیدوار تھے۔

○ کس حلقے اور کس شہر سے؟

● سماعیلیہ سے۔ ہم انتخابات کے موقعے پر اسماعیلیہ گئے۔ شیخ حسن البنا کا مخالف امیدوار سلمان عید تھا۔ وہ اصل میں عریش کا تھا، لیکن اسماعیلیہ میں رہایش پذیر تھا۔ انگریز ہر طرح سے اس کی حمایت کر رہے تھے۔ انگریزی افواج علانیہ طور پر سڑکوں پر آ گئی۔ مصری فوج اور پولیس بھی اس کے ساتھ تھی۔ اسماعیلیہ میں برطانوی فوج کی بہت بڑی چھاؤنی تھی۔ انتخابات کے دن اخوان المسلمون کے پولنگ ایجنٹوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ بیلٹ بکسوں کو خود ہی ووٹوں سے بھر دیا گیا۔ مصر کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے اخوان المسلمون کے ساتھیوں نے پولنگ اسٹیشنوں میں گھس کر دھاندلی روکنے کا ارادہ کیا، لیکن امام حسن البنا نے انھیں منع کر دیا کہ خون خرابا ہوگا۔ امام نے کارکنوں سے فرمایا: ''میرے لیے آپ کے خون کا ایک قطرہ پوری پارلیمنٹ سے زیادہ قیمتی ہے، انھوں نے کہا کہ ہم نے انتخابات میں حصہ لے کر دنیا پر ثابت کیا ہے کہ ہم امن کے داعی ہیں، ہم لڑائی کے ذریعے نہیں، پارلیمنٹ کے ذریعے سے تبدیلی چاہتے ہیں''۔ امام حسن البنا نے اخوان المسلمون کے ساتھیوں کو برطانوی فوج اور مصری پولیس سے ٹکرانے سے منع کر دیا۔ انھوں نے کہا: ''ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو جو چاہیں کریں، کہیں جا کر تو جواب دیں گے''۔

امام حسن البنا نے اپنی ذات یا کسی مفاد کے لیے پارلیمنٹ کے انتخابات میں حصہ نہیں لیا تھا بلکہ اس لیے حصہ لیا کہ پارلیمنٹ میں اسلام کی مضبوط آواز بلند ہو۔ پارلیمنٹ میں اسلام کا نمایندہ ہو۔ یہی امام حسن البنا کا موقف تھا وہ تشدد کو ناپسند کرتے تھے۔ بہرحال امام اور اخوان المسلمون کو اندازہ تھا کہ اس انتخابات کا نتیجہ ہمارے خلاف ہی آئے گا۔

○ اس وقت اخوان المسلمون کے خلاف قید و بند کی مہم جاری تھی؟

● جی ہاں، امام حسن البنا بھی گرفتار ہوئے تھے اور ان کے بھائی عبدالرحمن البنا اور بہت سے کارکنوں کو بھی گرفتار کیا گیا جن میں' مَیں بھی شامل تھا۔ پھر جب امام حسن البنا کو شہید کیا گیا میں اس وقت بھی قید میں تھا۔ امام حسن البنا کی شہادت پر جیل میں گھنٹیاں بجائی گئیں اور ہمیں حکومت کے حق میں بیان دینے کے لیے کہا گیا۔ ہم نے انکار کر دیا اور کہا: ''مسلمانوں کے خون کی حرمت کعبے کی حرمت سے زیادہ ہے''۔ حسن البنا کو شہید کیا گیا ہے۔ ان کا قتل ظلم ہے۔ وہ مظلوم تھے۔ ہم کیسے کہہ دیں کہ وہ شر پسند تھے''۔ یہ کہنے پر ہمیں قید میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر کے ایسی

کوٹھڑیوں میں رکھا گیا جن میں چٹائی تک نہیں تھی۔ صبح کے وقت ایک روٹی اور دال لائی جاتی۔ ہم جب تک اس کمرے میں رہے ہم نے سورج نہیں دیکھا۔ وہ کمرہ نہایت گندا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ہم گند میں رہیں۔ ہمیں اس کوٹھڑی میں ایک ماہ تک رکھا گیا۔ پھر ہکتر کی فوجی چھاؤنی میں منتقل کر دیا گیا۔ ہکتر فوجی چھاؤنی امریکیوں کے زیر انتظام تھی۔ امریکی فوجی اپنی عادات اور مزاج کے اعتبار سے جانور تھے۔ قضائے حاجت کے لیے پردے کا انتظام تک نہ تھا۔ ایک یہاں پر بیٹھا ہے تو دوسرا وہاں پر۔ پاکیزگی حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اخوان المسلمون کے ساتھی ایک ایک کر کے چادر تان کر کھڑے ہو جاتے تاکہ قضائے حاجت کے وقت ستر ہو سکے۔

انھوں نے ہمیں سوشلسٹوں کے ساتھ رکھا ان دنوں سوشلسٹ عناصر متحد تھے اور ان کے سربراہ کا نام ہنری کریز تھا جو مصر کے مال داروں میں شمار ہوتا تھا۔ ایک روز امریکیوں نے اخوان [redacted] الفاظ میں بات کی، مقصود فوجی کی شان میں کوئی گستاخی نہیں تھی، بلکہ اپنے حق کی بات تھی۔ اس پر وہ بپھر گئے، ایسا لگ رہا تھا کہ فوجی معرکہ درپیش ہے۔ بڑی تعداد میں فوجی آ گئے۔ مجھے اس چھاؤنی سے سوشلسٹوں کے ساتھ حوالات میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ جیل میں سب سے تکلیف دہ بات یہ ہوتی ہے کہ انسان کو کسی غیر قوم کے ساتھ رکھا جائے۔ قرآن پاک میں سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو کہا تھا کہ لأعذبنه عذاباً شديداً أو لأذبحنهٗ ''میں اسے سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح کر دوں گا''۔ علما اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ہدہد کو سلیمان علیہ السلام نے جو سزا دینے کا فیصلہ کیا تھا وہ یہ تھا کہ اسے غیر جنس کے پرندوں کے ساتھ رکھا جائے گا۔ ہمیں سوشلسٹوں کے ساتھ رکھا گیا۔ وہ اپنی فطرت کے اعتبار سے مختلف چیز تھے۔ مزاج کے اعتبار سے پست فطرت انسان۔ سگریٹ ٹکڑے تک کے لیے ایک دوسرے سے خیانت کرتے تھے۔ اپنے بھائی کی چوری کر لیتے، ایک دوسرے کا کھانا اچک کر کھا جاتے۔ آپس میں جھگڑتے۔ مختصراً یہ کہ وہ مادی جانور تھے۔ ہمیں حوالات سے فوجی چھاؤنی کے ڈائریکٹر کے پاس لے جایا گیا۔ اس چھاؤنی میں شیخ یوسف قرضاوی اور دوسرے ساتھی بھی تھے۔ مجھ اکیلے کو حوالات میں لے جایا گیا۔ فوجیوں نے مجھے لاٹھیوں اور سریوں سے مارا۔ بہت شدید مارا، لیکن اللہ کی قسم، بری طرح مارنے کے بعد جب

مجھے واپس لایا گیا تو کوئی درد محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ میری آنکھ کے نیچے لوہے کا راڈ لگنے سے نشان پڑ گیا تھا لیکن الحمدللہ آنکھ کو کچھ نہ ہوا۔ اخوان پریشان تھے کہ وہ کیا کریں۔ جب میں واپس لوٹا تو مجھے حوالات میں دیگر اخوانی ساتھیوں سے الگ رکھا گیا، مجھ پر پانی بھی بند کر دیا گیا۔ اخوان کے ساتھی بہت پریشان تھے اور مجھ تک پانی پہنچانے کی کوششیں کر رہے تھے۔ میرے دروازے کے نیچے پتا رکھ کر اس پر پانی ڈالتے تا کہ مجھ تک پہنچ جائے۔ ہماری سب سے بڑی مشکل گرمی تھی۔ شدید گرمی، کمرے کی چھت لوہے کی تھی۔ کمرہ گرم ہو جاتا تھا۔ تازہ ہوا کے داخلے کی کوئی صورت نہ تھی۔ دروازے اور کھڑکیاں بند تھیں۔ ہم تازہ ہوا لینے کے لیے اپنی ناک ٹوٹی ہوئی جالیوں کے سوراخوں پر رکھتے تھے۔ یہ امام حسن البنا کی شہادت کے کچھ ہی زمانہ بعد کی بات ہے۔

○ آپ نے امام حسن البنا کے ساتھ زندگی گزاری۔ ان کی شخصیت میں آپ نے اہم صفات کیا پائیں؟

● امام حسن البنا کی شخصیت کی اہم صفات لوگوں کا دل جیتنا ہے۔ لوگوں کو اسلام کی دعوت کے گرد جمع کرنا ہے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ امام حسن البنا ہمیشہ ایسے راستوں سے دور رہتے جو قانون سے متصادم ہوں۔ امام حسن البنا نے کہا سب کچھ قانون اور نظام کے مطابق ہوگا۔ ہم اسی کیمپ میں تربیت حاصل کرنے جاتے جو اسکاؤٹس کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ اس میں خیمے تھے اور اسپورٹس کا سامان تھا۔ ہم وہاں پر بادشاہ کے اسکاؤٹس کی حیثیت سے جاتے، تب تک ولی عہد تھا۔ وہ بادشاہ نہیں بنا تھا۔

ایک اور مثال دیتا ہوں۔ اخوان کے ایک ساتھی احمد حسن نے بہادری دکھانا چاہی، اس کے ساتھی جوا خانہ میں گئے اور توڑ پھوڑ کی۔ اسی طرز پر اخوان کے بعض دیگر ساتھیوں نے بھی کارروائی کرنا چاہی، مگر امام حسن البنا نے انھیں ایسا کرنے سے سختی سے منع کر دیا: ''یہ ہمارا نہیں، حکومت کا کام ہے۔ ہمارا کام دعوت ہے۔ ہم دعوت کا کام کریں گے، ہم پارلیمنٹ کے ذریعے جوا اور شراب رکوائیں گے''۔ امام حسن البنا لوگوں کی رہنمائی حکمت اور دانش سے کرتے تھے۔ وہ اتحاد کے داعی تھے۔ وہ تفرقہ پیدا کرنا نہیں چاہتے تھے، وہ انتشار پھیلانے کو ناپسند کرتے تھے۔ ان کا

کہنا تھا کہ ہم پارلیمنٹ کے ذریعے تبدیلی لائیں گے۔ قانون کے ذریعے تبدیلی لائیں گے، ہم لڑائی نہیں کریں گے، فساد نہیں کریں گے، لیکن امن پسندی اور روشن خیالی کے راگ الاپنے والوں کو دیکھیں اسی امن کے علم بردار کو قتل کر دیا۔

○ آپ نے ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ کا نام پہلی دفعہ کب سنا؟

● **ہم نے ان کا نام ۴۰ کے عشرے میں سنا۔**

○ آپ کو ان کے بارے میں ان کی تصنیفات کے ذریعے علم ہوا۔

● **جی ہاں ان کی کتابوں کے ذریعے مثلاً قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں۔**

○ تحریک اسلامی کے مستقبل کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

● **اسلامی تحریک کا مستقبل یقیناً مامون ومحفوظ ہے، ان شاء اللہ۔ دعوت کے لیے اپنا سب کچھ خاص طور پر اپنا سارا وقت کھپا دینے کی ضرورت ہے۔ فقہ اور سمجھ بوجھ کی ضرورت ہے۔ لوگوں کو سمجھ دار لیکن متحرک و فعال ہونا چاہیے، وہ لوگ جو علم دین و دنیا رکھتے ہوں، انھیں آگے لانا چاہیے۔**

❊❊❊